مواعظِ اختر نمبر ۵۶

شعاعِ آفتابِ رحمت



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

مواعظِ اختر
نمبر ٥٦

شعاعِ آفتابِ رحمت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جُملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: شعاعِ آفتابِ رحمت

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وعظ: ۳ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۸۶ء بروز جمعہ

مقام: مسجد اشرف گلشن اقبال کراچی

موضوع: فنائیت نفس

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: اِدارہ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر



شعاعِ آفتابِ رحمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ○

(سورۃ اٰل عمران، آیت:۱۸۵)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب ماجآء فی ذکر الموت، ج:۲، ص:۵۷)

عقل مند کون لوگ ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے اور انہوں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ مَنْ أَکْیَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ؟ سب سے زیادہ عقلمند کون آدمی ہے اور سب سے زیادہ محتاط زندگی گذارنے والا، بہتر زندگی گذارنے والا، عقل کے مطابق زندگی گذارنے والا کون ہے؟ اس دور میں جو شخص زیادہ عبادت کرے، ڈاڑھی رکھ لے، پائجامہ ٹخنوں سے اوپر کرلے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرے ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ یہ دقیانوسی لوگ ہیں اور یہ اس قابل ہیں کہ ان کو بحرِ اوقیانوس میں غرق کردو۔ لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((أَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِّلْمَوْتِ، وَاسْتِعْدَادًا لِّلْمَوْتِ أُولٰٓئِکَ الْأَکْیَاسُ))

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت وذکرہٗ، ج:۵، ص:۳۱۹)

اکثر جو موت کو یاد رکھتے ہیں اور موت کی تیاری کرتے ہیں یہی عقلمند لوگ ہیں باقی سب بے وقوف ہیں۔ پردیس کی زندگی کو مزیدار بنا لینا مگر جو ہمیشہ کا وطن ہے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے اُس زندگی کو خراب کر لینا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ پردیس میں اچھی زندگی گذار لینا اور پیٹ پال لینا کمال نہیں ہے، پیٹ تو جانور بھی پال لیتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ صاحب! ہم بہت شاطر ہیں، روزی کمانے میں اور پیٹ پالنے میں بڑے ماہر اور ہوشیار ہیں تو جانور بھی تو پیٹ پال لیتا ہے، پھر آپ کا کیا کمال ہوا؟ ہاتھی آپ سے زیادہ کھا لیتا ہے۔

الٰہ آباد کے چائل گاؤں کے رہنے والے مولانا لئیق احمد چائلی میرے گاؤں پرتاب گڑھ گئے تو وہاں میرے چاچا اور خاندان کے دیگر لوگ موجود تھے تو میں نے کہا کہ مولانا میں تو یہاں بیان کرتا ہی ہوں لیکن خاندان والے میری بات محبت اور غور سے نہیں سنتے، گھر کی مرغی ساگ برابر سمجھتے ہیں، آپ باہر کے ہیں اس لئے آج آپ کا بیان کراتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خاندان والوں سے زیادہ دوسرے لوگوں کی بات اثر کر جاتی ہے، اپنے گھر کے مُلّا کی بات کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں، باہر کے کسی مولانا کو لے آؤ تو اس کو بڑا اہم سمجھتے ہیں اور اپنے گھر کا کتنا ہی بڑا آدمی ہو تو کہتے ہیں کہ ارے یہ تو وہی ہے جو بچپن میں لنگوٹ پہن کر ہمارے ساتھ کھیلتا تھا اور نانا دادا کہتے ہیں کہ ارے یہ تو میرے باپ دادا کی پرانی رسمیں توڑ رہا ہے، کہتا ہے کہ سنت پر عمل کرو، ابھی کل تو میرے سامنے کھیلتا پھرتا تھا اور آج ہمیں نصیحت کرنے آیا ہے۔ تو میں نے مولانا لئیق صاحب سے کہا کہ آج آپ بیان کر دیجئے۔

میرا گاؤں ضلع پرتاب گڑھ شہر سے اٹھارہ میل دور بالکل چھوٹا سا اٹھیہہ نامی گاؤں ہے، میں اتنا دیہاتی ہوں کہ میری بولی پر میرے ساتھ کے شہر والے لڑکے ہنستے تھے لیکن اختر کو یہ خبر نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے قلم سے کبھی

کتابیں لکھوائے گا اور جس کے اشعار سن کر لکھنؤ والے بھی مزے لیں گے ۔

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغر
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

ایک دیہاتی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کیسا قلم عطا فرمادیا اور کیسی زبان عطا فرمادی کہ لکھنؤ اور دہلی کے اہلِ زبان بھی عش عش کرتے ہیں، اس لئے نفس کو مٹانے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیئے۔ جو کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرما ہی دیتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں اتنا دیہاتی تھا کہ میری بولی پر میرے ساتھی ہنستے تھے۔ اگرچہ مجھ سے اللہ کے راستہ کا حق ادا نہیں ہوا لیکن میرے بزرگوں کی دعاؤں کے صدقہ میں ایک دیہاتی کو زبان اور قلم عطا فرمایا اور سارے عالم میں عزت عطا فرمائی۔ اللہ پاک قبول فرمائے اور دل میں بڑائی آنے سے بچائے۔

تو میں نے مولانا لئیق احمد صاحب سے بیان کی درخواست کی۔ اس وقت میرے خاندان کے بہت سے لوگ موجود تھے اور خاندان والوں کو یہ ناز تھا کہ ہم لوگ کمانے میں بڑے ماہر ہیں۔ میرے دوست مولانا لئیق احمد صاحب بہت ظریف الطبع تھے اور بہت خوش طبع تقریر کرتے تھے، لوگوں کو ہنساتے بھی تھے، تو وہ کہنے لگے کہ آج کے زمانے میں عقلمند اس کو کہا جاتا ہے جو اچھا کمالے اچھا پہن لے حالانکہ پیٹ پالنا کیا کمال ہے بھئی! دیکھو ایک چوہا بھی بڑی اچھی طرح سے پیٹ پال لیتا ہے اور مال اُڑانے میں تو اتنا ماہر ہے کہ آپ ایک واقعہ سن لیجئے تب پتہ چلے گا کہ چوہا جیسا جانور بھی پیٹ پال لیتا ہے۔ ایک کالج میں دو دوست ہاسٹل میں ساتھ رہتے تھے۔ ایک دوست اپنے گھر سے خالص شہد لایا تھا کہ اس کو کھایا کروں گا۔ کچھ دن کے بعد دیکھا کہ بوتل آدھی ہوگئی تو وہ دوست اپنے دوست سے لڑنے لگا کہ تم نے میرا شہد کھایا ہے۔ اس نے کہا کہ

خدا کی قسم میں نے تو بالکل نہیں کھایا۔ ایک دن شہد والے نے دیکھا کہ ایک چوہا آیا اور اس نے اپنی دُم بوتل کے سوراخ میں ڈالی پھر دم نکال کر چوس لی۔ پھر اس دوست نے اپنے دوست سے معافی مانگی کہ میں نے تم سے بدگمانی کی حالانکہ میرا شہد تو چوہا کھا رہا تھا۔ فرمایا کہ جو کام چوہا کرسکتا ہے اگر انسان بھی اس پر ناز کرے تو کون سا کمال ہے۔ ارے! انسان تو وہ کام کرے جو جانور نہیں کر سکتے، جو کافر نہیں کر سکتے اور وہ کام ہے اللہ تعالیٰ کو، اپنے مالک کو راضی کرنا۔

غلام کی قیمت مالک کی خوشی سے ہے

اگر کسی غلام کو بادشاہت کا تاج مل جائے، تختِ شاہی حاصل ہوجائے، اسے اکیس توپوں کی سلامی اور گارڈ آف آنر ملے اور اس کے لیے روڈ خالی کرائے جارہے ہیں لیکن اگر اس کا مالک ناراض ہے تو جب اس کا جنازہ قبر میں اترے گا پھر معلوم ہوگا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرمایا کرتے تھے ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

دیکھا آپ نے! یہ ہیں اللہ والے لوگ اور ان کو یہ سمجھ اور یہ مقام حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی برکت سے ملا تھا، جو غلام اپنی غلامی کی قیمت خود لگائے وہ کیسا نادان ہے، ایک غلام شیشہ میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے سبحان اللہ! میں کتنا حسین ہوں، میرے چہرہ پر کیسی اچھی کریم لگی ہوئی ہے، آنکھوں میں کاجل لگا ہوا ہے، کیا شاندار بال ہیں ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے لوگ مجھے کس قدر ماڈرن سمجھتے ہیں، جس طرف سے میں گذرتا ہوں لوگ میری بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن اس غلام پر یہ بھی فرض ہے

کہ ایک نظر اپنے مالک کو بھی دیکھے، جس کے پاس جانا ہے کہ اس کی نظر میں تم کیسے ہو۔

اللہ والوں کی جوتیاں اٹھانے کا انعام

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو اللہ پاک نور سے بھر دے، میرے شیخ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے خلفاء میں سے تھے، جب میں نے ان سے بیعت کی تو اُن کی عمر ستر سال اور میری عمر سترہ سال تھی، اختر کی جوانی اس ستر سال کے بڈھے پر قربان ہوئی ہے، مگر آج اس کی برکت دیکھ رہا ہوں، اللہ والوں کی جوتیاں اٹھانے کا انعام اختر دیکھ رہا ہے، اسی لیے کہتا ہوں کہ کیا ملتا ہے اللہ والوں سے؟ اللہ والوں سے درد بھرا دل ملتا ہے، آہ و نالے ملتے ہیں، اشکبار آنکھیں ملتی ہیں، تڑپتا ہوا دل ملتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک مرتبہ اللہ کہنا اور ساری امت کا ایک مرتبہ اللہ کہنا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے، عبادت کی مقدار اور چیز ہے مگر درد بھرے دل سے ایک مرتبہ بھی اللہ کہنا اور چیز ہے، درد بھرے دل سے اللہ کہنا خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے۔

تو میرے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک لڑکی کو خوب سجایا گیا، محلہ کی عورتوں نے اس کو مبارکباد پیش کی کہ آج تم بڑی اچھی لگ رہی ہو، تمہارے زیور کی فٹنگ، لباس کی فٹنگ، آنکھوں میں کاجل، سر سے پیر تک ہر چیز بس کیا کہیں حسن کا پیکر اور حسن کا مجسمہ لگ رہی ہو۔ وہ لڑکی رونے لگی۔ سہیلیوں نے پوچھا کہ بہن کیوں روتی ہو؟ تمہاری تو تعریف کی گئی ہے، مبارکباد پیش کی گئی ہے، تم کو تو شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ واہ واہ! ماشاءاللہ! کیا عمدہ شعر ہے تو شاعر کہتا ہے آداب عرض اور تم کیسی لڑکی ہو کہ تم نے

شکریہ ہی ادا نہیں کیا۔ اس پر لڑکی نے کہا کہ اے میری بہنو! تمہارے تعریف کرنے سے میرا دل خوش نہیں ہوگا، جب میں بیاہ کے شوہر کے پاس جاؤں گی اور میرا شوہر مجھ کو دیکھ کر پاس کر دے تب میں خوش ہوں گی۔ بعض اوقات خوبصورت عورتیں شوہر کی نظر میں نہیں جچیں اور شوہر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔

ایک لطیفہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بہت حسین وجمیل عورت کا شوہر اس کو چھوڑ کر ایک کالی کلوٹی عورت کے پاس جایا کرتا تھا، اس عورت نے خادمہ کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو کہ میرے پاس کیا کمی ہے جو وہ مجھ کو چھوڑ کر وہاں جاتا ہے حالانکہ اس کی شکل تو بہت ہی خراب ہے۔ تو خادمہ نے رات کو دیکھا کہ جب اس کا شوہر اس عورت کے پاس گیا تو اس نے گن کر سات جوتے اس کی کھوپڑی پر لگائے اور اس مرد نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ بس خادمہ نے کہا کہ ہمیں نکتہ مل گیا اور اس نے جا کر اپنی مالکن کو بتا دیا۔ جب اس کا شوہر آیا تو بیوی نے بھی اس کی کھوپڑی پر سات جوتے لگائے، اس پر شوہر نے کہا کہ بس یہی تو کمی تھی، تمہارے پاس ناز ونخرے نہیں تھے، تمہارے پاس نیازمندی زیادہ تھی، میرا مزاج چاہتا تھا کہ کوئی مجھے کچھ ناز دکھائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بھی اپنی ٹوپی اتار کر پہنچیں اور درخواست پیش کر دیں، حضرت نے ہنسانے کے لئے ایک لطیفہ سنایا ہے، یہ تو لطیفے کی باتیں ہیں، یہ تعلیم نہیں ہے، بس ایک لطیفہ سنایا ہے کہ بعض ایسے بے وقوف لوگ بھی ہوتے ہیں۔

تو دوستو! اس لڑکی نے جواب دیا کہ جب میرا شوہر مجھے دیکھ کر پسند کرلے گا تب میں سمجھوں گی کہ میں کامیاب ہوگئی۔ اللہ والے جن کو اللہ تعالیٰ

نے دین کی سمجھ دی ہے، ساری دنیا ان کی جوتیاں اٹھائے، ساری دنیا کے بادشاہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں، ساری دنیا کے علماء ان کو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں لیکن اگر ان کو اللہ کے مقبول بندوں کی صحبت نصیب ہے اور اللہ نے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ان کی عقل میں سلامتی دی ہے تو وہ اور روتے ہیں کہ یا اللہ! ساری دنیا میری گدا ہے، میرے دروازہ پر آتی ہے لیکن نہ جانے قیامت کے دن میرا آپ کی نظر میں کیا مقام ہوگا۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا حال

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ایک جملہ ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میری ڈیڑھ ہزار تصانیف ہیں، بڑے بڑے علماء مجھ سے بیعت ہیں لیکن ایک غم مجھے ہر وقت کھائے جاتا ہے، ایک غم ہے جو میری بندگی کا زاویہ قائمہ نوے ڈگری اللہ تعالیٰ کی طرف قائم رکھتا ہے، مجال نہیں ہے کہ مجھ میں بڑائی آجائے، وہ غم کیا ہے؟ ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ نہ جانے اشرف علی کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا؟ یہ ہیں مجدد، یہ ہیں حکیم الامت، یہ ہیں اللہ والے۔ آج ہمارا کیا حال ہے؟ ایک بنگلہ مل گیا، کچھ بینک بیلنس ہوگیا، پھر تو کچھ مت پوچھئے۔ علم کی دولت ہو، عمل کی ہو، مال کی ہو، اولاد کی ہو، یا مکانوں کی ہو، دوستو! نشہ نہیں آنا چاہیے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جس عالم میں اور جس عبادت کرنے والے میں اور جس سالک میں تواضع اور فنائیت نہیں آئی اس کو دین کا جسم تو ملا مگر روح نہیں ملی۔ یہ بات کتابوں کے اندر موجود ہے۔ ابھی حال ہی کی بات ہے، دو تین برس پہلے کی کہ میں مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر تھا جو پشاور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں تو انہوں نے اپنے خلیفہ نواب قیصر صاحب سے میرے سامنے حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ پڑھوایا کہ عالم، عابد، سالک یا کوئی مسلمان کتنی ہی خیرات کرتا ہے، کتنی ہی نفلیں پڑھتا ہے کتنی ہی عبادت کرتا ہے، ہر وقت تسبیح پڑھتا ہے لیکن اگر اس کے اندر تواضع، فنائیت اور اپنے کو مٹانا نہیں آیا، اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو اس شخص کو دین کی روح اور حقیقت حاصل نہیں ہے، بندہ تو بنا ہی نہیں، صوفی بن گیا، اصل تو بندہ بننا ہے، بندگی اصل ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے میں اپنے کو کافروں سے بھی زیادہ حقیر سمجھتا ہوں۔ اپنے کو سب سے حقیر سمجھو! اللہ والے سور اور کتے کو بھی اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں، اس لئے کہ اگر ایمان پر خاتمہ نہ ہوا تو سور اور کتے ہم سے اچھے ہیں۔ کیوں؟ قیامت کے دن اُن کا حساب نہیں ہے اور ہمارا حساب ہے۔ اس لیے اللہ والے اپنے کو جانوروں سے بھی حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے ایمان پر، عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرتے ہوئے ڈرتے بھی رہتے ہیں اور اپنے کو حقیر بھی سمجھتے ہیں۔

تکبر سے آدمی مردود ہو جاتا ہے

جس میں بڑائی آ گئی سمجھ لو وہ مقبول نہیں ہو سکتا، یہ مردودیت کا عجیب نسخہ ہے، شیطان اسی بڑائی کے مرض سے مردود ہوا تھا، یہ اللہ کی بارگاہ سے مردود ہونے کا مجرب نسخہ ہے۔ جیسے کوئی سنکھیا کھا کے مرنے لگے، تو سب کو کہہ دے کہ بھئی! جس کو مرنا ہو تو سنکھیا کھالے۔ تو چونکہ شیطان کمبخت بھی تکبر ہی سے مردود ہوا تھا لہٰذا اس نے بھی اعلان کر دیا، اپنے چیلوں اور شاگردوں کو بتا دیا کہ جس صوفی کو، جس عالم کو، جس عابد کو مردود کرنا ہو اس کے دل میں تکبر بھر دو، اتنا تکبر بھر دو کہ ساری دنیا کو حقیر اور اپنے کو بڑا سمجھے، جس کے دل میں رائی کے برابر بھی بڑائی آ گئی ایسے شخص کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہو گی۔ یہ بات حدیث کے

اندر موجود ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی بڑائی آ گئی تو اس کو جنت کی خوشبو تک نہیں ملے گی۔ اسی لیے اس نفس کو مٹانے کے لئے لوگ بزرگانِ دین کی خدمت میں جاتے ہیں، اللہ والوں ہی سے یہ نفس مٹتا ہے۔

تھانہ بھون کے تین اکابر اولیاء اللہ کی فنائیت کی مثال

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی مجلس میں یہ ملفوظ بھی پڑھا گیا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے، حضرت نے مولانا کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اتنے میں حضرت کے پیر بھائی مولانا شیخ محمد تھانوی صاحب آ گئے، خانقاہ تھانہ بھون کسی زمانے میں دکانِ معرفت کے نام سے مشہور تھی جس میں تین پیر ایک ساتھ رہتے تھے، حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ تین بزرگ ایک ہی پیر کے خلیفہ تھے اور ایک ہی خانقاہ میں رہتے تھے، اسی لیے مثل مشہور ہے کہ ایک کمبل میں دس فقیر رہ سکتے ہیں مگر ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، آج کل ایسی خانقاہ کہاں ہے جہاں تین پیر ہوں ورنہ وہ مکے بازی چلے گی کہ محمد علی باکسر بھی ہار جائے گا، ایک کہے گا تم ہم سے مرید ہو جاؤ، دوسرا کہے گا تم ہم سے مرید ہو جاؤ۔ مگر یہ تینوں اللہ والے تھے، جب کوئی خانقاہ کے دروازہ میں داخل ہوتا تو حافظ ضامن شہید ذرا پُرمزاح طبیعت کے تھے، وہ باہر بیٹھے حقہ پیتے تھے۔ حافظ ضامن شہید اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، جن کی بزرگی کو علماء دیوبند نے تسلیم کیا ہے، وہ حقہ پیتے تھے تو پانی سے منہ صاف کر کے الائچی وغیرہ کھا کر منہ کی بدبو نکال دیتے تھے۔ اب جب خانقاہ میں کوئی شخص آتا تو پہلی ملاقات حافظ ضامن شہید سے ہوتی، وہ فرماتے کہ اگر مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ سامنے مولانا شیخ محمد تھانوی بیٹھے ہوئے ہیں،

وہ عالم ہیں مسئلہ ان سے پوچھ لے اور اگر مرید ہونا ہے تو حاجی صاحب سے مرید ہو جا اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا حالانکہ حافظ صاحب خود صاحب نسبت شیخ تھے، اللہ والے تھے۔ بیعت کرنے کا اختیار ان کو بھی تھا لیکن دیکھئے ان کی کیسی بے نفسی تھی۔ ہر ایک اپنے پر دوسرے کو ترجیح دیتا تھا۔ یہ نہیں کہ کوئی کہتا کہ مجھے مرید کرلو تو ایک دوسرے میں لڑائی ہو رہی ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

مرید ہونے پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک دیہاتی تھانہ بھون کی خانقاہ میں آیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی اکبر علی صاحب خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، اس نے کہا کہ مولوی اسرف علی کدھر ہے؟ مولوی کہا اور سین سے کہا۔ جی! یہ ہیں سادہ دیہاتی لوگ۔ پوچھا بھئی! کیا کام ہے؟ بڑے بھائی تھے آخر۔ اس نے کہا کہ میرا مرید ہونے کو جی چاہے ہے۔ اکبر علی صاحب نے فرمایا وہ ایسے مرید نہیں کرتے۔ کہنے لگا کہ واہ کیسے مرید نہیں کرے میں بھی دیکھوں ذرا۔ کہا اچھا دیکھ وہ بیٹھا مولوی اسرف علی جا چلا جا۔ اب بڑے بھائی اکبر علی دل میں کہہ رہے ہیں کہ اب تماشہ بنے گا، دیکھتا ہوں کہ اتنی جلدی کیسے مرید ہوتا ہے، کیونکہ حضرت کی ڈانٹ ڈپٹ اور سوال و جواب تو مشہور تھے، حضرت آسانی سے کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ اس سے طریق کی عظمت رہتی ہے، جلدی مرید کرلو تو مرید سمجھتے ہیں کہ پیر بھوکا تھا، منتظر تھا، جال لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس لئے یہ حضرات مرید کرنے میں دیر کرتے تھے تاکہ اللہ کے راستہ کی عظمت پیدا ہو۔ تو حضرت تھانوی نے دیکھا تو پوچھا بھئی! کیسے آئے ہو؟ کہنے لگا کہ اجی مولوی صاحب میرا خیال تھا مرید ہونے کو۔ حضرت نے پوچھا کہ تھا یا ہے؟ اس نے کہا کہ ہے۔ حضرت نے کہا کہ پہلے

تھا کیوں کہا؟ اب چُپ کھڑا ہے۔ کوئی جواب نہیں بنا تو حضرت نے فرمایا نکل یہاں سے، عقل درست کر کے پھر آنا، اب جب وہ باہر گیا تو بھائی اکبر علی صاحب کھڑے تھے، وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی سوال جواب میں پھنسے گا، پوچھا بھئی! مرید ہو گئے؟ اس نے کہا کہ مرید کیا ہوتا، تھا اور ہے میں پکڑا گیا۔

یہ تھے حضرت کے اصول! کسی نے کہا کہ میں دیہاتی آدمی ہوں، میری عقل میں کمی ہے، ہم لوگوں کے لئے ذرا نرمی کا معاملہ کیجئے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ جب تم لوگ عدالت میں جج کے سامنے جاتے ہو تو ساری عقل درست ہو جاتی ہے، تمہارا پاگل پن برداشت کرنے کے لئے مولوی ہی رہ گئے ہیں۔ جب دیہاتی کچہری جاتے ہیں تو وکیل سے پوچھتے ہیں کہ جج کو کیسے سلام کریں؟ عدالت میں کس طرح داخل ہوں؟ جج صاحب سے کیسے ملیں؟

سب سے بڑا کمال اپنے کو مٹانا ہے

تو میں نفس کے مٹانے پر عرض کر رہا تھا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اتنے میں ان کے پیر بھائی مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آ گئے، فرمایا آج کل مرید پر بڑی نظرِ عنایت ہو رہی ہے کہ مرید کو ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے، حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں مولانا رشید احمد کے ساتھ میرا سلوک نوازش اور عنایت کا ہے ورنہ مجھ کو یہ حق حاصل ہے کہ میں مولانا رشید احمد کے ہاتھ پر چپاتی رکھوں اور اس کے اوپر دال رکھ کر کہہ دوں جاؤ وہاں دور بیٹھ کر کھالو۔ مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس وقت گوشۂ چشم سے کن انکھیوں سے حاجی صاحب مجھ کو دیکھ بھی رہے تھے کہ چہرہ پر کوئی ناگواری کا اثر تو نہیں ہے؟ نفس مٹا ہوا ہے یا نہیں؟ کیونکہ مولانا گنگوہی بہت بڑے عالم تھے، قطبِ وقت

تھے۔ تو مولانا گنگوہی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! اس وقت آپ کے قلب کی کیا کیفیت تھی؟ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے حاجی صاحب کے اس عمل سے بہت مزہ آیا اور درحقیقت میں اپنے کو اس سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہوں کہ میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ میرے ہاتھ پر چپاتی اور چپاتی کے اوپر دال رکھ کر حضرت فرماتے کہ وہاں بیٹھ کر کھالو، یہ بھی حضرت کا احسان ہوتا، میں اس قابل بھی نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کی فنائیت اور بندگی اور اپنے کو مٹانا کاش ہمیں بھی نصیب فرمادے۔ یہی سب سے بڑا کمال ہے جو اللہ والوں کو عطا ہوتا ہے، اللہ والوں کے اندر کشش اسی وجہ سے آتی ہے کہ یہ اپنے کو مٹائے چلے جاتے ہیں۔

مقتداء کے لیے راستہ چلنے کا مسنون طریقہ

اسی فنائیت اور اپنے کو مٹانے پر کل ہی میں نے ایک حدیث کا درس دیا، یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے:

((مَا رُؤِیَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ مُتَّکِئًا قَطُّ وَلَا یَطَأُ عَقِبَہٗ رَجُلَانِ))

(مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ الفصل الاول، ج:۲،ص:۴۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے[1] اور راستہ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے دو آدمی بھی نہیں ہوتے تھے، اس کی شرح میں ملا علی قاری شرح مرقاۃ میں فرماتے ہیں لَا یَمْشِیْ قُدَّامَ الْقَوْمِ آپ کبھی لوگوں کے آگے نہیں چلتے تھے۔

((بَلْ یَمْشِیْ فِیْ وَسْطِ الْجَمْعِ اَوْ فِیْ اٰخِرِھِمْ))

(مرقاۃ کتاب الاطعمۃ، ج:۱۲،ص:۴۶۴)

[1] اگر کوئی معذور ہو، بیمار ہو تو ٹیک لگا کر بھی کھا سکتا ہے۔ (جامع)

مگر جب زیادہ آدمی ہوتے تو آپ درمیان میں یا آخر میں ہوجاتے تھے بوجہ تواضع کے، متکبرین کی طرح خدام کے آگے آگے نہیں چلتے تھے یا آپ پیچھے پیچھے چلتے یا درمیان میں اپنے کو چھپا لیتے تھے، یہ ہے راستہ چلنے کی سنت، یہ نہیں کہ پیر صاحب آگے ہوں اور سب مرید پیچھے۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب اکڑے ہوئے چلے جارہے ہیں، یہ اکڑنے کا راستہ نہیں ہے، یہ راستہ اپنے کو مٹانے کا ہے، یہ طریقہ سب بڑوں کے لئے ہے لہٰذا جو اپنے خاندان کا بڑا ہو، آفیسر ہو، سیٹھ ہو، پیر ہو، عالم ہو، تو اپنے کچھ دوستوں کو آگے کردے، کچھ درمیان میں چلیں، سنت کا طریقہ یہی ہے، پھر آپ دیکھئے اس کو کیا عزت ملتی ہے، عزت گارڈ آف آنر سے نہیں ملتی، اکیس توپوں کی سلامی سے گالیاں ملتی ہیں، عزت وہ ہے جو دل میں اتر جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کا حاصل نفس کو مٹانا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چودہ پیوند لگائے کس حالت میں چل رہے ہیں لیکن کسی ضرورت سے پیچھے مڑ کے دیکھا، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنے صحابہ پیچھے تھے ان کے دل میں حضرت عمر کی اتنی عظمت تھی کہ سب گھٹنوں کے بل گر گئے، یہ نہیں کہا کہ ہم پیر بھائی ہیں، ہم بھی امتی ہیں، ہم بھی صحابی ہیں، وہ بھی صحابی ہیں۔ اللہ جس کو عزت دیتا ہے اس کی عزت و مرتبہ کا پاس لازم ہے۔ تو نفس کو مٹانا اللہ کے راستہ کا حاصل ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ناامید نہیں ہونا چاہیے، حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگلوں میں جانوروں کا گوبر پڑا ہوا ہے تو سورج جو اللہ کی پیدا کی ہوئی ادنیٰ سی مخلوق ہے اس کی شعاعیں گوبر کے دو حصے کرتی ہیں، ایک حصہ گوبر کا پتلا مادّہ گرم ہوکر زمین میں جذب ہوجاتا ہے اور کھاد بن جاتا ہے پھر سورج کی شعاعوں

سے گوبر کا دوسرا اوپر کا حصہ سوکھ جاتا ہے، پھر اس خشک گوبر کو اُپلہ کہا جاتا ہے، اسے تندور والے تندور میں جلاتے ہیں اور اس سے روٹیاں پکاتے ہیں، تندور میں آکر اُپلہ لال ہوجاتا ہے، وہ گوبر جو ناپاک تھا تندور میں جل کر پاک ہوگیا کیونکہ اب اس کی ماہیت بدل گئی، اس کا چہرہ بھی بدل کر لال ہوگیا۔ یہ ہے سورج کی شعاعوں کا فیض۔ اگر یہ گوبر خشک نہ ہوتا تو گیلے گوبر کو تندور میں ڈال کر ذرا کوئی روٹی پکا کر دِکھادے۔

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گوبر کا دوسرا حصہ، بھینس کی نجاست، بیل کی نجاست، گدھے کی نجاست، گھوڑے کی نجاست، کتے اور سور کی نجاست، سب خشک ہوکر زمین میں جذب ہوگیا اور کھاد بن گیا اس سے اللہ تعالیٰ نے گلاب کا پھول، چنبیلی، بیلا، رات کی رانی پیدا کی۔ تو گوبر سورج سے کہتا ہے کہ اے سورج! تیری شعاعوں کی برکت سے میرے جسم کے دو حصے ہوگئے، ایک حصہ سے تو اُپلہ بن رہا ہے اور مخلوقِ خدا کے لئے روٹیاں پک رہی ہیں اور پتلا حصہ گلاب اور چنبیلی کی طرح مہک رہا ہے۔

شعاعِ آفتابِ رحمتِ الٰہیہ کا اثر

تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہ خاصیت ہے، سورج کی شعاعوں میں یہ خاصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ نجاستِ غلیظہ، نجاستِ عین یعنی جانور کے گوبر، پیشاب پاخانہ سے چنبیلی، بیلا اور گلاب کے پھول کی خوشبو عطا کرسکتا ہے، خلعتِ گل عطا کرسکتا ہے، پھولوں کا لباس عطا کرسکتا ہے تو اے گنہگار! تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کیوں ناامید ہوتا ہے؟ ارے! اپنی اصلاح کے لئے، اپنے تزکیۂ نفس کے لئے گڑگڑا کر رو، جب اس کی مخلوق سورج میں یہ اثر ہے تو خود اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کے سورج کی شعاعوں

میں کیا خاصیت ہوگی۔ آہ! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے، یہ قابلِ وجد شعر ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کی شانِ مقبولیت

مولانا رومی بھی بہت بڑے ولی اللہ ہیں، مثنوی مولانا روم دنیا کا ہر طبقہ پڑھتا ہے، ان کو عجیب بین الاقوامی محبوبیت عطا ہوئی ہے، کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو مولانا روم کا مخالف ہو، یہاں تک کہ جاپان اور انگلینڈ کے عیسائی دہریئے تک ان کی قبر پر جاتے ہیں، اور جس دن فجر سے پہلے ان کا انتقال ہوا تھا اس دن ان کے جنازہ میں بے شمار مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی شامل تھے، اتنا مجمع تھا کہ مغرب کے وقت جنازہ قبرستان تک پہنچا حالانکہ اس وقت قونیہ کراچی کی طرح بہت بڑا شہر نہیں تھا، بہت چھوٹا قصبہ تھا، مشکل سے چار پانچ ہزار کی آبادی رہی ہوگی، لیکن صبح کا جنازہ شام کو قبرستان پہنچا۔ جو اللہ پر مرتا ہے خدا اس کو یوں عزت عطا کرتا ہے۔ یہ تیس توپوں کی سلامی وغیرہ چند دن کی ہے اور ان کو زندگی میں بھی گالیاں ملتی ہیں پھر مرنے کے بعد کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ یہ اللہ والے اللہ کو راضی کر کے اصلی سلطنت لے گئے، آج ان کا نام روشن ہو رہا ہے۔ آج آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں مثنوی کا انگریزی میں ترجمہ پڑھایا جا رہا ہے۔ بس دوستو! عجیب معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔

تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دیکھو! جب بیل بھینس کا گوبر سورج کی شعاعوں سے خشک ہو جاتا ہے تو وہ تندور میں جلایا جاتا ہے، اس سے روٹیاں پکتی ہیں۔ گوبر کا ایک حصہ تو اس کام میں آیا اور دوسرا حصہ جو زمین میں جذب ہوا اس سے اللہ تعالیٰ بیلا، چنبیلی، گلاب کے پھول اور رات کی رانی میں خوشبو پیدا کرتا ہے۔

کسی حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہیں ہونا چاہیے

تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے گنہگارو! اے وہ لوگو جن کو گناہوں کی عادت ہے، اللہ کی رحمت سے کیوں نا اُمید ہوتے ہو؟ بس دو رکعت پڑھ کے اللہ سے روؤ کہ اے خدا! جب تیری اس مخلوق سورج میں یہ اثر ہے کہ تو اس کے ذریعہ نجس چیزوں کو گلاب اور چنبیلی کا لباس دیتا ہے، ناپاک اور بدبودار غلاظت کے ذریعہ رات کی رانی کی خوشبو بناتا ہے تو اپنا کلمہ پڑھنے والے اس بندہ کے اخلاقِ رذیلہ، اس کی گندی گندی عادتوں مثلاً عورتوں کو بری نظر سے دیکھنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، دنیا کی محبت غرض جتنی خباثتیں اس کے اندر ہیں، اے خدا اپنی رحمت کے سورج کی شعاعوں سے ان برائیوں کو اسی طرح پاک کردے جس طرح سورج گوبر کو پاک کر دیتا ہے۔ آہ! کیا بات کہی! اللہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر دے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ اب یہ مضمون ذہن میں رکھ کر ان کی تعبیر، ان کا اندازِ بیان بھی سن لیجئے، مولانا کے الفاظ میں کیا اثر ہے کہ کیسے ایک ہی شعر میں سب کچھ بیان کر گئے۔ جب سارا مضمون ذہن میں ہوگا تب مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں مزہ آئے گا۔ مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں ؎

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہی
من چہ گویم طیبیں را چہ دہی

اے خدا! جب آپ خبیث چیزوں کو، گندی چیزوں کو گلاب، چنبیلی اور خوشبودار پھولوں کا لباس عطا کرتے ہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ اپنے پاک بندوں کو کیا کچھ عطا کرتے ہوں گے، ہم قیاس نہیں کر سکتے کہ اولیاء اللہ کے سینوں میں آپ کی محبت کی کتنی گلاب کی خوشبو اور کتنی چنبیلی کی خوشبو پوشیدہ ہیں۔

اللہ والوں کو کون پہچانتا ہے؟

جو اللہ کی محبت کی پیاس رکھتے ہیں، جو خدا کی طلب رکھتے ہیں وہ اللہ والوں کو دیکھ کر پہچان جاتے ہیں، انہیں پہچاننا کچھ مشکل نہیں ہے، ہمارے اندر پیاس ہونی چاہیے، جو پیاسا ہوتا ہے وہ پتہ لگالیتا ہے کہ دریا کہاں ہے، پانی کدھر ہے، ٹھنڈی ہوا سے، پرندوں کے اُڑنے سے، سبزہ اور ہری گھاس دیکھ کر پتہ لگالیتا ہے، سمجھ لیتا ہے کہ یہاں کہیں قریب میں پانی ضرور ہے، ورنہ یہ سب گھاس خشک ہوجاتی۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اندھا ہے تو بھی اس کو ٹھنڈک سے پتہ چل جاتا ہے کہ بارش ہوئی ہے، فرماتے ہیں ؎

تازگیِ ہر گلستانِ جمیل
ہست برباران پنہانی دلیل

ہر گلستان کی تازگی، اس کا جمال، باغ کا تازہ پن اور پتوں کا نکھرا ہوا رنگ بتاتا ہے کہ رات کو بارش ہوئی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو پتوں پر جتنا گردوغبار ہوتا ہے سب دُھل جاتا ہے اور صبح کو جب آپ باغ میں گئے تو دیکھا کہ پتے تروتازہ نظر آرہے ہیں، آپ سمجھ جاتے ہیں کہ ضرور رات کو بارش ہوئی ہے حالانکہ رات کو آپ سورہے تھے، آپ کو معلوم نہیں تھا کہ بارش ہوئی ہے۔

تو جس طرح باغ کی تازگی بارش پر دلالت پیش کرتی ہے، گواہی پیش کرتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے دلوں پر اللہ کی رحمت کی جو بارش ہوتی ہے آدمی ان کے حال، ان کے الفاظ اور آوازوں سے محسوس کرلیتا ہے کہ ضرور ان کے قلب پر کوئی بارش ہوئی ہے جس سے ان کی گفتگو سے روحوں کو ٹھنڈک اور سکون ملتا ہے۔ مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو تہجد میں جب بہت مزہ آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آج کیا بات ہے آج بڑا مزہ آرہا ہے اور

یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کیوں بادِ صبا آج بہت مُشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زُلفِ یار ہے

یعنی حق تعالیٰ کے پاس سے میرے اللہ کی خوشبو لے کر یہ ہوائیں آرہی ہیں اس لئے روح مست ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بوئے آں دلبر چو پراں می شود
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

جب اللہ کی خوشبو عرشِ اعظم سے، ساتوں آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے میری روح تک پہنچتی ہے تو اتنا مزہ آتا ہے، اتنا لطف آتا ہے کہ جتنی لغتیں ہیں چاہے انگریزی کی ہو، ترکی کی ہو، فارسی کی ہو، گجراتی کی ہو، پنجابی کی ہو، لکھنؤ کی ہو، دہلی کی ہو، چاہے ساری دنیا کی زبانوں کی ہو، ساری زبانیں اللہ کی محبت اور عبادت اوراس کی مٹھاس اوراس کے نام لینے کی لذت کی تعبیر سے قاصر ہوجاتی ہیں اوراس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کی ذات غیر محدود ہے لہٰذا ان کی لذت بھی غیر محدود ہے، ان کا کوئی مثل نہیں لہٰذا ان کے نام کی مٹھاس کا بھی کوئی مثل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت کا کوئی مثل نہیں

اگر کوئی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں ہم کو اتنا مزہ آتا ہے جیسے رس ملائی، جیسے سیب، جیسے شہد وغیرہ تو وہ یہ سب مثال تو دے سکتا ہے مگر اللہ کے نام کی لذت کی بالکل صحیح مثال پیش کرنا ناممکن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں

فرماتے ہیں:

﴿وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾

(سورۃ الاخلاص، آیت:۴)

اللہ تعالیٰ کا کوئی کفو یعنی برابری کرنے والا نہیں ہے۔ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ نکرہ تحت النفی ہے اور نکرہ تحت النفی فائدہ عموم کا دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے والا کائنات میں کوئی نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت، سجدہ کی لذت، تلاوت کی لذت، عبادت کی لذت، ان کی محبت کی لذت، ان کی معرفت کی لذت اور ان کا نام لینے میں اتنی لذت ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں، حوروں کو دیکھنے میں بھی وہ مزہ نہیں جو اللہ کے نام میں ہے، حوروں کو دیکھنے میں جو مزہ آئے گا اللہ والوں کو اس سے زیادہ مزہ ان کا نام لینے میں آتا ہے۔ اسی لیے شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب جنت میں حوریں میرے پاس آئیں گی۔ دیکھو! اللہ والوں کو اللہ کی ذات سے بڑی امیدیں ہوتی ہیں جیسے بالکل یقینی معاملہ ہے۔ تو شاہ فضلِ رحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ جب جنت میں حوریں میرے پاس آئیں گی تو میں تلاوت میں مشغول رہوں گا اور ان سے کہوں گا کہ بی! قرآن سننا ہو تو سنو! ورنہ جاؤ اپنا راستہ دیکھو۔

غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ

بتائیے! ایک یہ لوگ ہیں اور ایک ہمارے نوجوان، جب وہ حوروں کا نام سنتے ہیں تو پتہ نہیں کیا کیا سوچتے ہیں۔ اگرچہ حوروں کی طرف لالچ کرنا جائز ہے لیکن حوروں سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی لذت ہے جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں جاتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جب کوئی سورج کو نہیں دیکھتا تو اسے ستارے ہی بڑے نظر آتے ہیں، اسی لیے اللہ کی محبت و معرفت جس طرح

سیکھنی چاہیے اس طرح سیکھئے، تب پتہ چلتا ہے کہ اللہ کیا ہے کیونکہ اللہ مجاہدہ سے ملتے ہیں۔ جس تلّی نے گلاب کے پھول کی صحبت نہیں اٹھائی وہ کیا جانے کہ روغنِ گل کیا ہے؟ اس نے مجاہدہ تو کیا، اس کی خوب رگڑائی ہوئی، کولھو میں پَیلی بھی گئی لیکن گلاب کے پھول کی صحبت نہ پانے سے وہ تلی کا تیل ہی رہی اور اسی بھاؤ بکی لیکن مجاہدہ کے ساتھ وہی تلی اگر گلاب اور چنبیلی کی صحبت بھی اٹھالے تو پھر اس کا نام روغنِ گل یعنی گلاب کا تیل یا چنبیلی کا تیل ہوگا، پھر اس کا نام بھی بدل جاتا ہے، کام بھی بدل جاتا ہے، دام بھی بدل جاتا ہے، عجیب معاملہ ہے، ہے تو تلی ہی کا تیل کیونکہ گلاب اور چنبیلی میں کہیں تیل ہوتا ہے؟ مگر اسی تلی کو اللہ نے توفیق دی، ایسے حالات میں رکھا کہ وہ گلاب اور چنبیلی کی صحبت یافتہ ہوگئی، اب جب کولھو میں پیلی گئی تو اس کا نام گلِ روغن یعنی چنبیلی کا تیل، گلاب کا تیل ہوگیا۔ یہ کیوں ہے؟ اس کا نام تلی کا تیل کیوں نہیں رکھتے؟ اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

روغنِ گل روغنِ کنجد نہ ماند

جب تلی کا تیل گلاب کی صحبت سے روغنِ گل بن گیا اب اس کو تلی کا تیل کہنا جائز نہیں ہے۔ اب اس کا نام بدل دو، دام بدل دو کیونکہ اب اس کا کام بدل گیا۔

اہل اللہ کی صحبت کی خوشبو

ایسے ہی گنہگار شخص رات دن سینما اور ٹی وی دیکھنے والا اور لڑکیوں کو گھورنے والا، لیکن جب وہ کسی اللہ والے کی صحبت سے توبہ کرتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے پھر کچھ دن کے بعد اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے اور اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے اس کی روحانیت اللہ کی خوشبو، اہل اللہ کی خوشبو، قرآن وحدیث کی خوشبو، عبادت کی خوشبو، تہجد کی خوشبو، تلاوت کی خوشبو اور درود شریف کی خوشبو

سے معطر ہو جاتی ہے، پھر وہ جدھر سے گذرتا ہے تو کیا عالَم ہوتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آیا؂

جب کبھی وہ ادھر سے گزرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گزرے ہیں

جب دل میں اللہ آتا ہے تو نجانے کتنی کائنات دل میں محسوس ہوتی ہیں، کتنے آسمان وزمین اور کتنے سورج اور چانداس کے دل میں محسوس ہوتے ہیں۔ سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنتِ بلخ ایسے ہی نہیں لٹائی تھی، کچھ پاتے ہیں تب لٹاتے ہیں۔

پرتاب گڑھ میں قصبہ پھولپور کا ایک جنگل ہے، اس جنگل میں جتنے علمائے ندوہ اور لکھنؤ کے جاتے ہیں تو بہت نور محسوس کرتے ہیں، میں نے بھی اس جنگل کو دیکھا ہے اور بہت نور محسوس ہوا۔تو میں نے مولانا شاہ محمد احمد صاحب سے پوچھا جن کے گھر کے پاس وہ جنگل ہے، حضرت! یہ کیا بات ہے کہ اس جنگل میں اتنا نور محسوس ہوتا ہے؟ تو مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنی جوانی میں اس جنگل میں روزانہ ستر ہزار دفعہ اللہ اللہ کیا ہے۔اس لئے اس جنگل کے بارے میں میرا ایک شعر سن لو! فرمایا کہ؂

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے

جنگل کی خاموشی میں اللہ بہت یاد آتا ہے، اسی لئے اللہ والے جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ؂

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے خدا! جب آپ کا نام لیتا ہوں، جب اللہ کہتا ہوں تو اس نعرۂ مستانہ میں اتنا مزہ آتا

ہے کہ میرے محبوب، اللہ، مجھے تو قیامت تک یہی دولت چاہیے۔ یہ دنیا کی دولت کیا ہے کہ آج تو دولت ہے کل کو جب جنازہ قبر میں اترا تو دولت نے دولات مار کر دھکیل دیا اور کفن لپیٹ کے چلے گئے۔

مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے
مری نمازِ جنازہ پڑھائی غیروں نے

اولاد سب بیرونِ ملک ہے، ایک لڑکا لندن میں ہے، ایک امریکا میں، کوئی آپ کے جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوا مگر جب ابا کی خبر ملی، ٹیلی فون کیا تب سارے لڑکے جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے دوڑے کہ کوئی ابا کی جائیداد نہ لے لے، جنازہ میں آنے کی اتنی فکر نہیں ہوئی جتنی جائیداد پر قبضہ کرنے کی۔ اسی لئے شاعر نے کہا۔

مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے
مری نمازِ جنازہ پڑھائی غیروں نے

جن کے لئے مر رہے ہو پتہ نہیں وہ جنازہ میں بھی شریک ہوں گے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی بے وفا نہیں ہوتی

اس لئے دوستو! ایسی ذات سے محبت کرو، جو کبھی بے وفائی نہیں کرتی، زمین کے اوپر اس اللہ کی محبت سیکھ لو تا کہ جب زمین کے نیچے جاؤ گے پھر اختر کے لئے دعا کرو گے پھر کہو گے کہ کسی نے ایک بات بتا دی تھی کہ زمین کے اوپر اللہ سے دوستی کر لو تا کہ وہ زمین کے نیچے تمہارے کام آئے۔ اللہ کو خوب یاد کر کے روح میں ذخیرہ کر لو تا کہ جب جنازہ زمین کے نیچے اترے تو وہاں تمہیں اللہ ملے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ تم نے ہمیں خوب یاد کیا تھا، اب اس تنہائی میں ہم تمہیں کیسے چھوڑیں، تم نے بیوی بچوں میں، کاروبار میں، نوٹوں کی گڈیوں میں، شامی کبابوں میں، بریانیوں میں ہمیں فراموش نہیں کیا، ائر کنڈیشنوں میں ہمیں

نہیں بھلایا تو آج جب تم کو ائر کنڈیشن نے چھوڑ دیا، بریانی شامی کباب نے چھوڑ دیا، بیوی بچوں نے چھوڑ دیا، کاروبار نے چھوڑ دیا، تمہاری کار اب دوسرے چلا رہے ہیں، تمہاری بیویاں آج دوسروں سے نکاح کر رہی ہیں، تمہارے بیٹے تمہاری جائیداد پر قابض ہیں، وہ سب تم سے چھوٹ گئے لیکن چونکہ تم ان تعلقات میں ہم کو نہیں بھولے تھے لہٰذا آج اس تنہائی میں میری رحمت بے وفا نہیں ہوسکتی کہ تم کو یہاں قبر میں اکیلے چھوڑ دے۔

حدیث میں ہے کہ جب کوئی اللہ والا، کوئی نیک بندہ فوت ہوتا ہے تو اس کا نیک عمل دفن ہونے سے پہلے ہی اس کے کفن میں اچھی شکل میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ اطمینان رکھو! تم اکیلے نہیں جا رہے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، اللہ نیک اعمال کو بہت ہی خوبصورت شکل میں ساتھی بنا کر بھیجتا ہے، وہ اس کو کفن میں نظر آتا ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے کہ گھبراؤ مت میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ زمین کے نیچے بھی اس کو آرام سے رکھیں گے، ایسا کریم مالک سوائے اللہ کی ذات کے کوئی نہیں، اس دن ان اللہ والوں کی سفارش اور شفاعت اور علماء ربانیین اور اکابر کی صحبتیں کام آئیں گی ان شاء اللہ۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کرتا ہوں کہ جس کو بیعت کر رہا ہوں اگر قیامت کے دن اس پر فضل ہوگیا تو وہ مجھے دوزخ میں جاتا ہوا نہیں دیکھے گا، روئے گا کہ اے اللہ اس کو بخش دے اور اگر مجھ پر فضل ہوگیا تو میں کہوں گا کہ یا اللہ! میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا، آپ اس پر فضل کر دیجئے۔

اپنے شیخ کے مشورہ سے ذکر کرو

تو میں عرض کر رہا تھا کہ پرتاب گڑھ کے اس جنگل میں وہ نور کیوں

نظر آتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں اس جنگل میں جوانی میں ستر ہزار دفعہ اللہ اللہ کیا کرتا تھا لیکن موجودہ زمانہ میں اتنا ذِکر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کی صحت بہت اچھی تھی، اور پھر حضرت کی جوانی کا زمانہ تھا اور ان کی روحانیت قوی تھی اب اپنے شیخ سے پوچھ کر ذکر کرنا چاہیے، بعض لوگوں نے زیادہ ذِکر کرلیا تو دماغ کا اسکروڈھیلا ہوگیا۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ اپنے شیخ سے مشورہ کر کے ذکر کرو، اگر کسی اللہ والے کو پیر نہیں بناتے تو مشیر ہی بنالو۔ اور کسی کو پیر بنانے میں جلدی مت کرو، پہلے مشیر بنالو جیسے دنیاوی جائیداد کے معاملہ میں وکیل رکھتے ہیں، مشیر رکھتے ہیں، اسی طرح پہلے کسی اللہ والے سے مشورہ کرلو کہ میری صحت ایسی ہے اور میں اتنا ذکر کرتا ہوں، آیا یہ میرے لئے مناسب ہے؟ تو وہ اسی مناسبت سے ذکر تجویز کردیتے ہیں جیسے آپ نے کسی طبیب سے پوچھ لیا، ڈاکٹر سے پوچھ لیا کہ ڈھائی سو ملی گرام کا کیسپول کھاؤں یا ایک ہزار ملی گرام کا، تو وہ بتادیتا ہے کہ آپ کے مرض کے لیے کیا مناسب ہے۔

تو الحمد للہ! میں نے اس جنگل کو دیکھا ہے اور اس اللہ والے کو بھی دیکھا ہے، ان بزرگوں کی آنکھوں اور ان بزرگوں کی صحبتوں کا کیا کہوں کہ جو لطف آیا ہے اس کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔

مولانا شاہ محمد احمد صاحب کی شانِ جذب و عشق

میں نے ایک دن مولانا شاہ محمد احمد صاحب کو دیکھا کہ آستین پر شوربا گرا ہوا ہے اور آنکھوں میں جو سرمہ لگایا تھا وہ بھی اِدھر اُدھر بہا ہوا ہے اور ٹوپی اور کرتے کی آستین میلی اور پائجامہ اُجلا ہے، اس دن حضرت ایک عجیب حالت میں تھے، تو میں نے کہا کہ حضرت! آج بڑے بڑے علماء آپ سے دعا لینے آئے ہوئے ہیں، ان کے عمامے، ان کا لباس شاندار ہے اور یہ تو آپ کو پہچان

جائیں گے مگر یہ عوام الناس تو آپ کو دیکھ کر سمجھیں گے کہ کوئی عام سا آدمی ہے کیونکہ آپ نے اپنے کو ایسا چھپایا ہوا ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی اس حالت پر ابھی میرا ایک شعر موزوں ہوا ہے ؎

گڈری میں لعل، لعل پہ گڈری چڑھی ہوئی

مشکل ہے تیرے لعل تک ناداں کی دسترس

بہرحال۔ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی برکت پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں یہ واقعہ بیان فرمایا جس کو مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی دامت برکاتہم نے ابھی حال ہی میں لاہور کے صیانۃ المسلمین کے اجتماع میں بیان کیا۔ یہ قصہ میں نے پہلے حکیم الامت کے وعظ میں پڑھا تھا، پھر ان کے ایک بہت جلیل القدر خلیفہ کی زبان مبارک سے سنا۔ فرمایا کہ ایک بستی میں ایک اللہ والے رہتے تھے، اسی بستی میں ایک کفن چور بھی رہتا تھا، ان کو پتہ چل گیا تھا کہ اس بستی میں ایک ایسا نالائق شخص بھی رہتا ہے، تو مریدوں سے کہا کہ ذرا اسے بلا لانا، جب وہ آیا تو پوچھا کہ بھئی! سنا ہے تم کفن چراتے ہو تو یہ بتاؤ کہ کفن کتنے میں بیچا کرتے ہو؟ اس نے بتا دیا تو انہوں نے دگنی رقم دے کر کہا کہ یہ دگنا ہدیہ لے لو مگر میرے مرنے کے بعد میرا کفن نہ اتارنا۔ اس نے کہا کہ حضرت توبہ توبہ لاحول ولاقوۃ ارے کیا میں اللہ والوں کا کفن چرا کے ان کو ننگا کر سکتا ہوں، پھر تو میری آخرت ہی برباد ہو جائے گی۔ ان اللہ والے کا کفن چور سے معاملہ ہو گیا، اس نے وعدہ کر لیا کہ آپ کا کفن نہیں چراؤں گا اور خوب توبہ توبہ بھی کی اور لاحول بھی کئی دفعہ پڑھا۔

گناہ نہ چھوڑنے کا انجام

اس کفن چور نے وعدہ کر لیا کہ حضرت آپ کا کفن نہیں چراؤں گا۔

حضرت مطمئن ہوگئے، جب ان کا انتقال ہوگیا اور کفن لپیٹ کے قبر میں لٹادیے گئے تو اس کفن چور کے دل میں لالچ آیا، بری عادت بہت بڑی بلا ہوتی ہے، اس لئے بزرگوں کا حکم ہے کہ بری عادتوں کو زیادہ دیر تک مت جماؤ ورنہ جڑ پکڑ گئی تو چھوڑنا مشکل ہوجائے گا، جتنی تاخیر کروگے کہ ابھی ذرا اور مزہ لے لیں، ابھی ذرا اور مزہ لے لیں تو مزہ لیتے لیتے گناہ کی عادت جڑ پکڑ جائے گی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک محلہ میں کانٹے دار درخت سڑک پر اُگ آیا، اس زمانہ میں کچی سڑکیں ہوتی تھیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ چھ سو برس پہلے کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ محلہ والوں نے کہا کہ یہ کانٹے دار درخت اُکھاڑو، ایک آدمی نے کہا کہ کل اُکھاڑوں گا، جب کل ہوئی تو پھر کہا کہ کل اُکھاڑوں گا، کل کل کرتے چھ مہینے ہوگئے اور درخت کی جڑ زمین میں نیچے تک پہنچ گئی، اب جو اس نے اکھاڑ کر کھینچنا چاہا تو وہ اکھڑتا ہی نہیں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آں درختِ بد قوی تر می شود
بر کنندہ پیر و مضطر می شود

گناہوں کے درخت مضبوط ہوتے جائیں گے، ان کی جڑ اندر گھستی چلی جائے گی اور اس میں مضبوطی آجائے گی اور اکھاڑنے والا کمزور ہوتا چلا جائے گا لہٰذا گناہ سے توبہ میں اور اصلاح کرانے میں دیر مت کرو ورنہ جتنی دیر کروگے اتنی ہی گناہوں کی تعداد بڑھتی جائے گی، عادت خراب ہوتی جائے گی، نفس کے خبیث تقاضے شدید تر ہوتے جائیں گے۔ اس لیے اچھا ہے کہ جلد ہی اللہ سے رو دھولو، توبہ کرلو جیسے موٹر کار کے گیراج میں جو لڑکے ہوتے ہیں ان کے کپڑے اتنے خراب ہوتے ہیں کہ اگر ان پر سیاہی کا کوئی داغ لگ جائے تو پتا بھی نہیں چلتا لہٰذا گناہوں سے اس حد تک اپنا دل خراب مت کرو کہ دھونا مشکل ہوجائے۔

اس لئے جلدی کرو، توبہ میں دیر مت کرو، جلدی اصلاح کے لئے بزرگوں سے مشورہ کرلو۔ میں کہتا ہوں کہ مشورہ کرلو، یہ نہ سمجھنا کہ پیر بنانے کے لئے کہہ رہے ہیں، ہر پیر پر واجب ہے، ہر شیخ پر واجب ہے کہ اگر کوئی مرض کا علاج پوچھے یا اللہ کا نام سیکھے تو بغیر مرید کئے ہوئے فوراً بتادے، اگر وہ یہ کہتا ہے کہ جب تک مرید نہ ہوگے ہم تمہیں روحانی بیماری کا علاج نہیں بتائیں گے تو حکیم الامت فرماتے ہیں کہ یہ پیر جعلی ہے، لٹیرا ہے، ڈاکو ہے۔ اللہ والوں پر امت کی اصلاح فرض ہے اور بیعت سنت ہے، سنت کے لئے فرض کا انتظار کرا رہے ہو لہٰذا جب کوئی فرض کا مشورہ کرے تو فوراً اس کو مشورہ دو۔

خیر اس کفن چور کو تو عادت پڑی ہوئی تھی، جیسے ہی وہ بزرگ قبر میں لٹائے گئے رات کو وہ ظالم قبرستان پہنچ گیا، بارہ بجے رات کو جب دیکھا کہ سناٹا ہے اور اب گاؤں والے نہیں دیکھیں گے تو ان کی قبر کھود کر چہرہ سے جیسے ہی کفن کھسکایا ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر ان بزرگ کو بٹھادیا اور روح عطا فرمادی، وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی حکیم الامت کے بڑے خلفاء میں سے ہیں، ان کا بہت بڑا ادارہ ہے، بڑے بڑے علماء کے شیخ ہیں اور خود بھی بڑے عالم ہیں، بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بزرگوں کی کرامت مرنے کے بعد بھی ہوتی ہے، لہٰذا جب انہوں نے اس چور کا ہاتھ پکڑ لیا تو مارے ڈر کے اس چور کا ہارٹ فیل ہوگیا۔

اللہ والوں کی شانِ کریمانہ

تو جب اس چور کا ہارٹ فیل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جواب طلب کرلیا کہ تم نے وعدہ بھی کیا تھا اور پیسے بھی لیے تھے پھر بھی تم نے میرے ایک محبوب اور مقبول بندے کو ننگا کرنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں بزرگ نے اللہ تعالیٰ

سے درخواست شروع کی کہ یا اللہ! آپ اس سے کوئی سوال جواب نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ یہ تو تیرے ساتھ زیادتی کررہا تھا۔تو وہ کہنے لگے کہ جب اس نے میرا کفن کھسکایا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، آپ میرے ہاتھ کی لاج رکھ لیجیے۔

اب حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ایک جملہ آپ کو سنا کر بہت جلد آج کا وعظ ختم کرتا ہوں۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہائے! اللہ والے کتنے کریم ہوتے ہیں کہ دشمن کا ہاتھ پکڑا تو اس کا یہ حال ہے اور جس کا محبت سے ہاتھ پکڑتے ہیں اس کا کیا حال ہوگا، اس کا کیا معاملہ ہوگا۔یہ جملہ ہے مجدد الملت کا کہ اللہ والے کیسے کریم و باوفا ہوتے ہیں، کس قدر ان کی شانِ رحمت ہے کہ دشمن کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو دوستوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو ایک جملہ بھی ہدایت کے لیے کافی ہوتا ہے

میرا ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ ٹھیک بارہ بجے بیان ختم کردوں گا کیونکہ بعض لوگوں کو جانے میں دیر ہوجاتی ہے اور بعض ائمہ حضرات بھی ہیں تو ان کو بھی تاخیر ہوجاتی ہے اور وقت کی پابندی سے مجھے بھی آرام مل جاتا ہے۔اور رہ گیا معاملہ مضمون کا تو مجھے اللہ پر یقین ہے کہ اگر اللہ کا فضل شاملِ حال ہو تو ایک جملہ بھی ہدایت کے لئے کافی ہوجاتا ہے جیسے بارش دو گھنٹہ بلکہ مسلسل دس دن ہو مگر سیپ میں جو موتی بنتا ہے اس کے لیے ایک ہی قطرہ کافی ہوتا ہے، اسی طرح اگر اللہ چاہے تو کوئی بات کان میں ڈال کر دل میں اتار دے۔یہ سب میری نہیں میرے بزرگوں کی باتیں ہیں، اختر اس قابل نہیں ہے کہ اس کی بات قطرۂ نیساں [1] بن جائے اسی لیے اللہ والوں کی باتیں نقل کر رہا ہوں۔

[1] موسم بہار

بزرگانِ دین کی باتیں ایسی ہیں جو آپ کی روح کی سیپ میں قطرۂ نیساں کی طرح موتی بن جائیں گی مگر اللہ کا فضل اور ان کا فیصلہ شامل حال ہو اور تجربہ عموماً یہی ہے کہ جو کسی اللہ والے کے لیے نیک گمان لے کر اس کے پاس اللہ کے لئے چل کر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محروم نہیں فرماتے، دنیا میں اسی طرح اولیاء اللہ بنے ہیں، اسی طرح پیوند کاری ہوئی ہے کہ حسنِ ظن سے کسی صحبت یافتہ خادمِ دین کے پاس گئے اور معلوم ہے کہ اس نے بھی کسی بزرگ کی صحبت اور جوتیاں اٹھائی ہیں تو کہتے ہیں چلو بھئی! ان کے پاس چل کر بزرگوں کی باتیں سن آئیں۔ تو اس ماحول کا اثر پڑتا ہے، اللہ کو رحم آجاتا ہے کہ بے چارے اتنی دور سے آئے ہوئے ہیں، اگر آپ کے دروازہ پر کوئی آجائے اور آپ اگر کریم ہیں تو آپ مخلوق ہو کر اسے محروم نہیں کرتے تو حق تعالیٰ کی رحمت کیسے گوارا کرے گی کہ اللہ کے نام پر کوئی اجتماع ہو اور اس میں خدا کی رحمت کی امید لے کر بندے جمع ہوں اور وہاں سے محروم واپس چلے جائیں۔ جب دنیا میں کریم مخلوق ایسا نہیں کرسکتی تو اللہ تعالیٰ کی شان تو کرم کی خالق ہے، اصلی کریم تو وہی ہے، ہمارے اندر جو کرم ہے، ہم جو کسی پر مہربانی کر دیتے ہیں وہ ان ہی کی مخلوق ہے۔

کریم کی تعریف

اب اگر آپ کہیں کہ ہمارے اندر تو ایسی کوئی خوبی اور صلاحیت نہیں کہ ہم پر بھی کرم ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان میں گیارہ جلدوں میں مشکوٰۃ شریف کی شرح لکھی ہے، اس کی جلد نمبر ۳ میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کریم کی تعریف کیا ہے؟ اَلْکَرِیْمُ هُوَ الَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَ الْمِنَّةِ جو بلا حق، بلا صلاحیت، نا قابلیت اور نا اہلیت کے باوجود اپنی رحمت دے دے، لہٰذا اللہ جب کریم ہے

تو وہ بلا اہلیت یعنی ہماری نااہلیت کے باوجود ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔

ماں باپ کو ستانے کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے

ابھی میں نے ایک حدیث دیکھی ہے، مشکوٰۃ کے اندر وہ حدیث موجود ہے کہ اور گناہوں کی سزا تو آخرت میں ملے گی لیکن ماں باپ کو ستانے کی سزا موت سے پہلے دنیا ہی میں ملتی ہے۔ جیسے ایک شخص نے اپنے باپ کی گردن میں رسی باندھ کر بیس تیس فٹ گھسیٹتا ہوا ایک درخت تک لے گیا، تو اس کے باپ نے اس کے کان میں کہا کہ بیٹا اس درخت سے آگے مت گھسیٹنا نہیں تو تم ظالم ہوجاؤ گے۔ تو بیٹے نے کہا کہ میں جو یہ ابھی بیس تیس فٹ تک گھسیٹ کر لایا ہوں تو کیا میں ابھی تک ظالم نہیں ہوا ہوں؟ اس نے کہا کہ تم ابھی تک ظالم نہیں ہو۔ کہنے لگا کیوں؟ کہا کہ میں نے تیرے دادا کو یہاں تک ہی گھسیٹا تھا تو اس کا بدلہ تو مجھے مل گیا اب اگر تو نے اس سے آگے گھسیٹا تو تو ظلم کرنے والوں میں ہوجائے گا۔ اس لئے دوستو! ماں باپ کے پیر پکڑ کر راضی کرلو، خوش کرلو اور اگر وہ ناراض مرچکے ہیں تو اس کا بھی نسخہ سن لو۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا باپ ناراض مر گیا یا ماں ناراض مرگئ تو اولاد کو چاہیے کہ اس کے نام صدقۂ جاریہ کرے، صدقہ خیرات کرے، غریبوں، مسکینوں پر خرچ کرے، مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈالے اور دیگر نیک کاموں میں پیسہ لگائے، ان کے نام پر ثواب پہنچاتا رہے، مال سے، جان سے، تلاوت سے، درود شریف سے۔ لیکن میں خاص طور پر خیر خیرات یعنی مال کا نام اس لیے لیتا ہوں کہ بعض لوگ پانچ پانچ پارے روزانہ پڑھ کے بخشتے ہیں بلکہ رمضان میں پورا قرآن پڑھ کر بخش دیتے ہیں لیکن کسی مسکین کو پانچ روپے دینے کے لئے وہ بڑی دیر تک نوٹ کو ملتے ہیں، ایک قرآن کا ثواب تو بخش دیا مگر بخل کی وجہ سے خرچ نہیں کرتے

جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بخیل کا کتا مر رہا تھا اور وہ زاروقطار رو رہا تھا کہ ہائے میرا کتا مرنے کے قریب ہے، اس پر نزع کا عالم طاری ہے، وہ بے ہوش ہو رہا ہے بس ابھی اس کی روح نکل جائے گی۔ تو کسی نے پوچھا کہ کیوں مر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ بھوکا ہے، پوچھا تمہارے سر پر جو ٹوکرا رکھا ہے اس کے اندر کیا ہے؟ اس نے کہا کہ روٹی ہے، کہا کہ پھر اس کو روٹی کیوں نہیں کھلاتے ہو، کہنے لگا کہ روٹی میں پیسے لگتے ہیں اور آنسو مفت کے ہیں۔ اسی لئے لوگ قرآن پاک پڑھ کر بخشنا، تلاوت اور نوافل پڑھ کر بخشنا سمجھتے ہیں کہ آسان اور مفت ہے اور مال خرچ کرنے میں جان نکلتی ہے حالانکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مالی ثواب پہنچانا مردے کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے اس لئے کہ وہ صدقۂ جاریہ ہے کہ جو مردے کو ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے، لہٰذا تلاوت اور نوافل کے ساتھ مردے کے لئے کچھ رقم صدقۂ جاریہ میں بھی لگا دینی چاہئے، ضروری نہیں کہ بڑی رقم ہو اگر حیثیت کم ہے تو چھوٹی رقم بھی اللہ کے ہاں قبول ہے۔ اور زیادہ حیثیت والے زیادہ رقم لگائیں اس کا ثواب مردے کو بھی پہنچے گا اور ثواب پہنچانے والے کو بھی پہنچے گا اللہ کے راستے کا یہ خرچ ہی آخرت میں کام آئے گا اور باقی سب مال یہیں رہ جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کا ایک خاص ادب

اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اس بات کی عادت ڈالو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک کو بھی ثواب بخشو مگر اس میں کسی کو شریک نہ کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ پڑھ کے بخشتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بالکل الگ کرتا ہوں، اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا حق یہ ہے کہ اس میں

ماں باپ کو بھی شریک نہیں کرتا، اگر ماں باپ کے لئے پڑھنا ہے تو الگ سے پڑھیں۔ یہ ادب بزرگوں نے سکھایا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قربانی کریں اور:

﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۝﴾

(سورۃ الاعلیٰ، آیت:۱)

یہ سورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھی، اس کو پڑھ کر بخشیں، غرض جو کچھ بھی بخشیں الگ بخشیں اور ماں باپ کے لئے الگ بخشیں، پوری امت کو الگ بخشیں، یہ بھی بہت بڑا عمل ہے اور نیکیوں کا ذخیرہ بڑھانے والا ہے۔

ایک نیکی کی قدر و قیمت

ایک نیکی دینے سے ایک شخص کی مغفرت ہوجائے گی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک نیکی نہیں ہوگی، وہ اپنی ماں سے مانگے گا، ماں نیکی نہیں دے گی، کہے گی ہم تمہیں پہچانتے ہی نہیں، کہاں سے آئے ہو، بھاگو یہاں سے۔ بیوی سے کہے گا کہ اے بیوی! میں نے تیرے لیے سونے کی چوڑیاں بنوائی تھیں اور سونے کا ہار اور انگوٹھی دبئی سے لایا تھا اور نائیجریا سے ساڑھی لایا تھا، وہ کہے گی کہ جا جا میں تجھے ایک نیکی بھی نہیں دوں گی، اماں، ابا، بیوی، بیٹے، بھائی سارے انکار کردیں گے۔ اب بے چارہ کوئی مخلص جس کے پاس ایک ہی نیکی تھی اس نے پوچھا کہ بھئی! تم کیوں پریشان ہو؟ اس نے کہا کہ کیا بتاؤں بھائی صاحب! ایک نیکی مل جائے تو میرا کام بن جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کہے گا یہ ایک نیکی تم لے لو کیونکہ میرے پاس ایک ہی نیکی ہے، اس سے میرا کیا بھلا ہوگا؟ ایک نیکی سے تو میں جنت میں نہیں جاسکتا، چلو تم ہی چلے جاؤ، تمہارا تو کام ہوجائے۔ اب وہ ایک نیکی لے کر دوڑا ہوا اللہ کے پاس جائے گا کہ یا اللہ! میں ایک نیکی لے آیا ہوں، جو کمی تھی وہ پوری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے ہم نے تم کو بخش دیا، لیکن ذرا اس کو بھی بلا کے لاؤ جس نے تمہیں ایک نیکی دی ہے۔ وہ دوڑا ہوا جائے گا کہ ارے بھئی! اللہ تعالیٰ تم کو بھی بلا رہے ہیں، وہ تو پہلے ڈرے گا کہ معلوم نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا، مجھ پر جوتے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے جو ایک نیکی اس کو دی ہے، اس کے بدلہ میں میں نے تم کو بھی بخش دیا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ میں دوسروں کو نیکی دے دوں گا تو میرے پاس کیا رہے گا۔ ارے میاں! ایک نیکی دینے پر تو یہ انعام ملا کہ مغفرتِ کاملہ ہی ہوگئی۔ ایک بزرگ ہیں میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ تو سب ہی کچھ بخش دیتے ہیں، سارے نفل، تلاوت سب بخش دیتے ہیں، کہتے ہیں میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا، مجھے یہ بخشنے کا ثواب کیا کم ملے گا؟ آپ ذرا کسی کے بیٹوں کو مالدار کر دیجئے، انہیں سب مال دے دیجئے اور ان کا ابا بہت بڑا بادشاہ ہو، اب ابا کو پتہ چلا کہ اس نے میرے بیٹوں کو اپنا سارا مال دے دیا ہے تو ابا کیا کہے گا کہ اچھا اب میں آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان شاء اللہ ایسوں کو نہ جانے کتنا دیں گے، اس لئے آپ دوسروں کے فائدے کی سوچئے آپ بھی فائدے میں رہیں گے اور کسی کو دھوکہ نہ دیجئے اس میں دنیائے فانی کا تھوڑا سا عارضی فائدہ ہوسکتا ہے لیکن آخرت کا دائمی نقصان ہی نقصان ہے۔

ایک دھوکے باز ہندو فقیر کا قصہ

ایک فقیر الٰہ آباد میں دریائے جمنا کے کنارے پھونک پھونک کر چلتا تھا کہ کہیں پیروں تلے آکر کوئی چیونٹی نہ مرجائے، ایک ہندو شخص اس کا معتقد ہوگیا کہ اتنا بڑا سادھو ہے، اتنا بڑا جوگی ہے کہ چیونٹی پر بھی پیر نہیں رکھتا، پہلے پھونکتا ہے پھر آگے قدم رکھتا ہے، اس نے اپنی گٹھڑی اس کو دے دی اور کہا کہ میں ذرا بیت الخلاء جا رہا ہوں تم میری گٹھڑی سنبھالو! جب اس سادھو نے دیکھا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو وہ گٹھڑی لے کر بھاگ گیا، اب اس کا سارا

پھونک پھونک کر قدم رکھنا وغیرہ سب گیا اور بے تحاشا بھاگا، نہ چیونٹی دیکھی نہ چیونٹا سب کو روندتا ہوا بھاگ گیا۔ جب وہ بیت الخلاء سے آیا تو دیکھا کہ وہ سادھو میری گٹھڑی لے کر بھاگ گیا تو اس نے دل میں کہا کہ اے بھگوان اس کو تو میں نے بڑا سادھو سمجھا تھا کہ یہ آپ کا بہت ماننے والا ہے، یہ تو بڑا چور، پکا ڈاکو نکلا۔ تو اس نے ایک شعر بنایا جس کو میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا، اس نے ہندی میں شعر بنایا۔

دیکھا ایک بھوئی پھنکا پھکیر
گٹھڑی لے گیا تیرے تیر

ہندی میں پھکیر کہا، فقیر نہیں کہا دیہاتی ہش کیا جانے ''ق'' کہاں سے نکلتا ہے، وہ قلقلہ وغیرہ تھوڑی جانتا تھا، اس نے کہا۔

دیکھا ایک بھوئی پھنکا پھکیر

بھوئی پھنکا یعنی زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ راستہ وغیرہ میں اپنی چیز کسی کو جلدی سے مت دے دیا کرو کہ ریل کے ڈبہ میں دیکھا کہ تسبیح پڑھ رہے ہیں تو اس کے پاس اپنا سامان امانت رکھ دیا، کسی پر اطمینان مت کیا کرو، کوئی کچھ کھلائے بھی تو مت کھاؤ ہوسکتا ہے نشہ دے کر بے ہوش کر کے جیب کاٹ لے۔

اب آخر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت کا ایک ملفوظ سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں جو اچانک یاد آ گیا۔

عقل کی بے بسی کی ایک مثال

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب یہ بات عقل میں نہیں آتی ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کی بات عقل میں آئے یا نہ آئے

عقل جیسی کمزور چیز خدا کے احکام کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے؟ جو معمولی سے وہم کا مقابلہ نہیں کرسکتی، معمولی وہم کے مقابلہ میں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، مثلاً قبرستان میں ایک مردہ لیٹا ہوا ہے اور آپ کو لے جا کر اس مردہ کے ساتھ لٹا دیا جائے اور کہا جائے کہ رات میں یہاں اور کوئی نہیں رہے گا اور قسم کھائی جائے کہ یہ مردہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، دانت سے چبا نہیں سکتا، ہاتھ سے تھپڑ نہیں مار سکتا، مگر ذرا کوئی کسی مردہ کو لپٹ کر رات بھر لیٹ کر دکھا دے حالانکہ یقین ہے اور عقل بھی کہتی ہے کہ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ مردہ ہے۔ سوچو! یہ عقل کا فیصلہ ہے کہ نہیں؟ عقل تو کہتی ہے کہ مردہ آخر کیا کرے گا؟ لیکن اس کے باوجود ذرا کسی مردہ کو رات بھر خوب لپٹا کر کسی قبرستان میں پڑے رہو، وہم میں ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی دانت نکال کر چبا جائے گا، ہارٹ فیل ہوجانے کا بھی خطرہ ہے اور ہارٹ فیل نہیں بھی ہوا تو جلد ہی وہاں سے نکل کر بھاگے گا۔ تو وہاں تو معمولی سے وہم کا عقل مقابلہ نہ کرسکے اور دین میں عقل لڑائی جارہی ہے کہ فلاں حکم کیوں ہے، یہ عقل میں نہیں آتا۔

بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول اور محبوب بندوں کی محبت نصیب فرمائے۔ دوستو! بخاری شریف کی حدیث ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنۡ یُّحِبُّكَ))

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے اللہ! مجھے اپنی محبت نصیب فرما اور جو لوگ تجھ سے محبت رکھتے ہیں ان کی محبت بھی نصیب فرما۔ سبحان اللہ! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کے عاشقوں کی محبت مانگیں تو پھر ظالم ہے وہ شخص جو اہل اللہ کی محبت سے اعراض کرتا ہے یا ان کی طرف سے لاپروا اور مستغنی ہے، مال و دولت میں پھنسا ہوا ہے، اللہ والوں

کے پاس جانے اور ان سے محبت کرنے سے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اس سے ہمیں کیا ملے گا؟

دوستو! اگر ان اللہ والوں کی صحبتوں سے کچھ نہ ملتا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے ان کے محبوب و مقبول بندوں کی محبت کی دعا کیوں مانگتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگ کر بتا دیا کہ اگر تم مجھے سید الانبیاء سمجھتے ہو، مجھے نبیوں کا سردار سمجھتے ہو، مجھے اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑی شخصیت سمجھتے ہو تو جو چیز میں مانگ رہا ہوں اس کو بھی بڑا سمجھو کہ میں اللہ سے خدا کی محبت مانگتا ہوں اور اللہ والوں کی، خدا کے عاشقوں کی محبت بھی مانگتا ہوں اور ان اعمال کی محبت بھی مانگتا ہوں جو اللہ کی محبت سے قریب کرنے والے ہیں۔

یا اللہ! بس آج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی دعا جو بخاری شریف کے اندر ہے آپ ہم سب کے حق میں قبول فرما لیجیے یعنی ہمیں اپنی محبت بھی نصیب فرما دیجیے، اپنے عاشقوں کی، اللہ والوں کی محبت بھی نصیب فرما دیجیے اور ان اعمال کی محبت بھی نصیب فرما دیجیے جو آپ کی محبت کا ذریعہ ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى
خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ